علامہ اقبال اور سلطان ٹیپو شہید

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

حضرت علامہ مرحوم کو سلطان شہید سے جسقدر عقیدت اور ارادت تھی اسکا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ انہوں نے سلطان شہید کو ''جاوید نامہ،، میں جنت الفردوس میں دکھایا ہے اور اسکی زبان سے زندگی، موت اور شہادت کی حقیقت بیان کی ہے۔ اسکے علاوہ انہوں نے ضرب کلیم میں بھی ''سلطان ٹیپو کی وصیت،، کے عنوان سے اسکی خدمت میں خراج تحسین پیش کیا ہے اور اس نظم جانفزا کے آخری شعر میں سلطان کی پوری زندگی کا نقشہ کھینچ دیا ہے

باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے
شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول

جن لوگوں نے سلطان کی زندگی کا مطالعہ کیا ہے ان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سلطان شہید نے ایک دن کے لئے بھی حق و باطل میں شرکت گوارا نہیں کی۔ اس نے جان دیدی، مگر باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کیا۔ بس اسکی یہی ادا، اقبال کو بھا گئی جسکی بناء پر انہوں نے اسے جاوید نامے میں جنت الفردوس میں دکھا کر اپنی عقیدت اور ارادت کا اظہار کیا ہے۔

سلطان شہید رح کا نام تو تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا لیکن جاوید نامے میں اقبال نے سلطان کا تذکرہ جس انداز سے کیا ہے، اسکی بدولت، سلطان کی حقیقی حیثیت دنیا پر واضح ہوگئی اور چونکہ اس زندۂ جاوید کتاب کا ترجمہ رفتہ رفتہ یورپ کی تمام زبانوں میں ہو جائیگا اسلئے اس غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جائیگا جو انگریزوں نے اپنے مقاصد مشئومہ کی تکمیل کے لئے اس مرد مومن کے متعلق اپنی تصانیف کے ذریعہ سے علمی طبقوں میں پھیلادی تھی۔

انگریزوں کو سلطان شہید سے جسقدر عداوت اور نفرت تھی (جسکے اسباب آئیندہ اوراق میں بیان کئے جائینگے) اس کا کچھ اندازہ اس بات سے بھی ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اپنے کتوں کا نام ٹیپو رکھا اور سلطان کے

لباس کو اپنے چپراسیوں اور اردلیوں کا ''یونیفارم،، قرار دیا ۔ اور دنیا کا کوئی عیب ایسا نہیں ھے جو انگریز مورخوں نے اس بطل جلیل کی ذات والا صفات سے منسوب نہ کیا ہو ۔ علامہ' اقبال رح نے جاوید نامے میں، ان دشمنان ملت کے ہر طلسم کو پاش پاش کردیا اور صرف اس ایک شعر کے ذریعہ سے، ان کی تمام غلط بیانیوں کی تردید کردی ۔

آنکه گفتارش همه کردار بود
مشرق اندر خواب و او بیدار بود

چونکہ راقم الحروف کو بھی سلطان شہید رح سے غیر معمولی محبت اور عقیدت اور ارادت ھے اسلئے تسکین خاطر اور اظہار عقیدت کے لئے پہلے ان اشعار کی تشریح ھدیہ ناظرین کرونگا جو علامہ اقبال مرحوم نے سلطان شہید رح کی شان میں کہے ھیں، اسکے بعد کرنل بیٹ سن (Beatson) کی تصنیف سے سلطان کی آخری جنگ اور شہادت کے حالات اختصار کے ساتھ پیش کرونگا۔ اس شخص کی کتاب کو اسلئے منتخب کیا ھے کہ یہ شخص بذات خود ۴ مئی ۱۷۹۹ء کے معرکے میں شریک تھا ۔ اسنے یہ کتاب ۱۸۰۰ء میں لکھی تھی اور اسوقت سے لیکر آج تک تمام مورخوں نے آخری جنگ میسور کے حالات اسی کتاب سے اخذ کئے ھیں ۔ جو نسخہ میرے پیش نظر ھے وہ ۱۸۰۰ء میں لندن میں طبع ہوا تھا ۔

سیرت سلطان شہید بزبان اقبال مرحوم

جب مرشد رومی رح کی معیت میں اقبال نے جنت الفردوس میں سلطان شہید سے ملاقات کی عزت حاصل کی تو سلطان نے اقبال سے پوچھا : —

باز گو از هند و از هندوستان — آنکه با کاهش نیرزد بوستان
آنکه اندر مسجدش هنگامه مرد — آنکه اندر دیر او آتش فسرد
آنکه دل از بهر او خون کرده ایم — انکه یادش را بدل پرورده ایم
از غم ما کن غم او را قیاس — آه ازاں معشوق عاشق ناشناس

(معنی خیز ترجمہ) اے زندہ رود ! مجھے ھندوستان کا حال سنا ۔ وہ ھندوستان جسکی گھاس بھی دوسرے ملکوں کے باغوں سے زیادہ قیمتی ھے، جسکی مسجدیں آج ویران پڑی ہوئی ھیں یعنی ان کے نمازیوں میں کوئی مجاھد نظر نہیں آتا ۔ سب انگریزوں (اقوام مغرب) کی غلامی میں مست مطمئن ھیں

اور مادی فوائد کے لئے اپنا دین و ایمان نہایت ارزاں قیمت پر فروخت کر رہے ہیں۔ بقول اکبر الہ آبادی

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڑھ کے بھاؤ سے

سی ہندوستان کا حال سنا جسکے آتشکدہ کی آگ بالکل ٹھنڈی ہوچکی ہے اور جسکی عزت برقرار رکھنے کے لئے ہم نے اپنی جان بھی قربان کردی، جسکی یاد اب بھی ہمارے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ افسوس! ہندوستان کے باشندوں اور حکمرانوں (مرہٹوں، نظام حیدرآباد، نواب کرناٹک، نوابین اودھ اور شمالی ہند کے دوسرے نوابوں) نے ہمیں مطلق نہ پہچانا اسی لئے کسی نے بھی وطن عزیز کی آزادی برقرار رکھنے کے سلسلے میں ہمارا ساتھ نہ دیا بلکہ مرہٹوں اور نظام حیدرآباد نے تو مادر وطن کے دشمنوں کی مدد کی۔ ۱

زندہ رود (اقبال) جواب دیتا ہے :—

ہندیاں منکر ز قانون فرنگ — در نگیرد سحر و افسون فرنگ
روح را بار گران آئین غیر — گرچہ آید ز آسمان آئین غیر

اسوقت (۱۹۳۱ء میں) حالت یہ ہے کہ ہندوستان کے باشندے فرنگی قانون کے خلاف علم بغاوت بلند کر رہے ہیں۔ اور سچی بات بھی یہی ہے کہ آئین غیر اگر آسمان سے نازل ہو تو بھی بنی آدم کے لئے قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

سلطان شہید رح :—

چوں بروید آدم از مشت گلے — با دلے، با آرزوئے در دلے
لذت عصیاں چشیدن کار اوست — غیر خود چیزے ندیدن کار اوست
زانکہ بے عصیاں خودی ناید بدست — تا خودی ناید بدست، آید شکست
زائر شہر و دیارم بودۂ — چشم خود را بر مزارم سودۂ
اے شناسائے حدود کائنات — در دکن دیدی ز آثار حیات ؟

جب کسی قوم میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے ہیں اور اسکے دلمیں

---

۱ آج ہندوستان میں نہ مرہٹوں کا نام باقی ہے نہ ریاست حیدرآباد یا نظام کا، مگر سلطان ٹیپو شہید رح کا نام آج بھی زندہ ہے اور قیامت تک زندہ رہے گا — (یوسف)

زرو (انقلاب کی آرزو) پیدا ہوتی ہے تو وہ قوم غلطیاں بھی کرتی ہے کیونکہ غلطیوں کے بغیر خودی کی تربیت نہیں ہوسکتی۔ خدا نے خودی کی تخلیق اس نہج پر کی ہے کہ وہ آگے بڑھنے کے لئے اپنے ماحول سے برسر پیکار ہو اور چونکہ انسان عالم الغیب نہیں ہے اسلئے اس سے غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں یعنی انسان ٹھوکر کھا کر ہی کچھ سیکھ سکتا ہے

اے زندہ رود! تونے (۱۹۲۹ء میں) میری مملکت کی سیاحت کی تھی اور تونے سرینگاپٹم میں میرے مزار کو بھی اپنی آنکھوں سے لگایا تھا۔ اے آشنائے راز کائنات! کیا تونے دکن میں زندگی کے کچھ آثار دیکھے ؟

زندہ رود :—

تخم اشکے ریختم اندر دکن — لالہ ہا روید ز خاک آں چمن
رود کاویری مدام اندر سفر — دیدہ ام در جان او، شورے دگر

میں نے دکن میں اپنے آنسوؤں کے بیج بودئے ہیں انشاء اللہ اس چمن کی خاک سے بہت سے گل لالہ (سرفروش) پیدا ہونگے۔ دریائے کاویری (جسکے درمیان سرینگا پٹم کا قلعہ واقع ہے) ہنوز اسی انداز سے بہہ رہا ہے اور میں نے اسکی روانی میں زندگی کے نئے آثار دیکھے ہیں۔

سلطان شہید :—

اے ترا دادند حرف دل فروز — از تپ اشک توی سوزم ہنوز
کاو کاو ناخن مردان راز — جوئے خون بکشاد از رگہائے ساز
آں نوا کز جان تو آید بروں — می دہد ہر سینہ را سوز دروں
بودہ ام در حضرت مولائے کل — آنکہ بے او طے نمی گردد سبل
گرچہ آنجا جرأت گفتار نیست — روح را کارے بجز دیدار نیست
سوختم از گرمئی اشعار تو — بر زبانم رفت از افکار تو
گفت ایں بیتے کہ برخواندی زکیست — اندرو ہنگامہ ہائے زندگی است
باھماں سوزے کہ در سازد بجاں — یک دو حرف ازما بہ کاویری رساں

اے زندہ رود ! قدرت نے تجھے ایسا ملکۂ شاعری عطا کیا ہے کہ تیرے کلام کی گرمی سے میرے اندر بھی سوز و گداز کا رنگ پیدا ہوگیا ہے۔ تیرے پیغام میں یہ تاثیر ہے کہ پڑھنے والے کے دل میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے۔

All rights reserved ©2002-2006 Iqbal Cyber Library

مجھے سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل ہوچکا ہے حضور ص کی شان یہ ہے کہ آپ ص کی متابعت کے بغیر کوئی شخص خدا تک نہیں پہونچ سکتا اگرچہ حضور ص کے سامنے کسی کو مجال گفتگو نہیں ہے کیونکہ دیدار کی لذت سے گفتگو کا موقع نہیں ملتا مگر چونکہ میں تیرے کلام سے متاثر ہوچکا تھا اسلئے بے اختیار تیرے افکار میری زبان پر آگئے۔ جب حضور ص نے تیرا کلام سنا تو دریافت فرمایا کہ یہ اشعار کس کے ہیں ؟ ان میں زندگی کا ہنگامہ نظر آتا ہے۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تو اسی سوز و گداز کے ساتھ جو تیرے کلام میں ہے، میرا پیغام دریائے کاویری تک پہونچا دے

پیغام سلطان شہید (حقیقت حیات و مرگ و شہادت)

یہ پیغام جاوید نامے کے اہم مقامات میں سے ملے۔ اقبال نے سلطان شہید رح کی زبان سے زندگی، موت اور شہادت کی حقیقت بیان کی ہے۔ اس پیغام میں چار بند ہیں۔ پہلے ان کا خلاصہ درج کرتا ہوں بعد ازاں اس پیغام کی شرح کرونگا پیغام کا متن بخوف طوالت مضمون درج نہیں کیا ہے ناظرین جاوید نامے کے صفحات ۲۱۵ تا ۲۱۸ مطالعہ فرمالیں۔

(۱) پہلے بند میں اقبال نے رود کاویری سے خطاب کے پردے میں، ناظرین کو اس پیغام کی اہمیت سے آشنا کیا ہے اور جس عظیم الشان ہستی کا یہ پیغام ہے اسکی عظمت کو بڑے بلیغ انداز میں واضح کیا ہے۔ اس بند کا بنیادی تصور اس مصرع میں پوشیدہ ہے :—

ع — ہیچ می دانی کہ ایں پیغام کیست

(۲) دوسرے بند میں اقبال نے پیغام کی تمہید اٹھائی ہے، اور اس ضمن میں ناظرین کو یہ بتایا ہے کہ اس دنیا میں کسی شے کو، ذی روح ہو یا غیر ذی روح، ثبات و قرار نہیں ہے جو آیا ہے اسے ایک نہ ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ لہذا موت سے بچنے کی کوشش کرنا سراسر نادانی ہے۔ اس بند کا بنیادی تصور اس مصرع میں مضمر ہے :—

ع — زندگانی انقلاب ہر دے است

(۳) تیسرے بند سے سلطان شہید رح کا پیغام شروع ہوتا ہے۔ اس بند میں سلطان نے یہ نکتہ بیان کیا ہے کہ دنیا میں ہر شخص کو شاہین کی

طرح زندگی بسر کرنی چاهئے اس بند کا بنیادی تصور اس مصرع میں مندرج ہے :—
ع — یک دم شیری به از صد سال میش

(۴) چوتھے بند میں اپنے پیغام کی روح واضح کی ہے یعنی موت و حیات و شہادت کا فلسفہ بیان کیا ہے اور اس ضمن میں اعلی درجے کے روح پرور حقائق و معارف بیان کئے ہیں جنکی قدر و قیمت کا اندازہ اس بند کو بار بار پڑھنے اور لوح دل پر نقش کرنے کے بعد ہی ہوسکتا ہے ۔ اس بند میں حسب ذیل حقائق بیان کئے ہیں

ع زندگی محکم ز تسلیم و رضا ست
ع بندۂ حق ضیغم و آهوست مرگ
ع مرگ آزادان زآنے بیش نیست
ع جنگ مومن سنت پیغمبری است
ع جنگ مومن چیست ؟ هجرت سوئے دوست

اس مختصر تمہید کے بعد اب پیغام کی وضاحت کرتا ہوں

پہلا بند کہتے ہیں کہ اے دریائے کاویری! شاید مسلسل سفر سے تو تھک گئی ہے اسلئے کچھ دیر کے لئے آہستہ چل اور میری بات سن ! تو مجھے جیحون اور فرات سے بھی زیادہ محبوب ہے ۔ دکن کے حق میں تیرا پانی بمنزلہ آب حیات ہے ۔ تجھے یاد ہے کبھی تیری آغوش میں ایک بڑا با رونق شہر آباد تھا (اشارہ ہے سیرنگاپٹم کی طرف جو سلطان شہید کا پایہ تخت تھا اور یہ شہر واقعی دریائے کاویری کی آغوش میں واقع تھا ۔ واضح ہو کہ دریا کے درمیان ایک جگہ ایک چھوٹا سا جزیرہ بن گیا ہے اس میں قلعہ اور شہر واقع ہے ۔ اب وہاں بہت کم آبادی ہے مگر قلعہ بدستور قائم ہے اور سلطان کا مزار بھی وہیں دولت باغ میں واقع ہے) ۔

اے کاویری ! تیرے ساز میں زندگی کا سوز پوشیدہ ہے ۔ تجھے کچھ خبر بھی ہے میں کس عظیم الشان انسان کا پیغام تیرے پاس لایا ہوں ؟ سن ! میں اس بطل حریت کا پیغام تجھے سنانے آیا ہوں جسکی سطوت اور شوکت کا تونے مدتوں طواف کیا ہے ۔ جس نے اپنے حسن انتظام اور عادلانہ قوانین کی بدولت دکن کے صحراؤں کو بہشت کا نمونہ بنا دیا تھا ۔ جس نے اپنے خون سے دکن کی تاریخ کے صفحات پر اپنی تصویر بنائی ۔ جسکی قبر بھی آج لاکھوں مسلمانوں کی آرزوؤں کا مرجع بنی ہوئی ہے یعنی مسلمان آج بھی

اسکی قبر سے سرفروشی اور ایثار کا درس لے رہے ہیں۔ اور اسکی شہادت سے ایک نئی زندگی حاصل کر رہے ہیں ۔ جسکے قول اور فعل میں مطابقت کلی پائی جاتی تھی یعنی اگر وہ دوسروں کو جہاد کی تلقین کرتا تھا تو اسنے خود بھی عملاً جہاد میں حصہ لیا ۔ سلطان شہید رح کی زندگی شاہد ہے کہ وہ ۱۷۷۹ء سے ۱۷۹۹ء تک مسلسل انگریزوں سے جنگ میں مشغول رہا اور اسنے میدان جنگ ہی میں حیات ابدی حاصل کی

ع — مشرق اندر خواب و او بیدار بود

یہ پورا براعظم، فرنگیوں کی عیاریوں اور ریشہ دوانیوں اور ان کے ناپاک عزائم اور خلاف اسلام سرگرمیوں سے بے خبر تھا ۔ صرف سلطان شہید ہی واحد مسلمان حکمران تھا جس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوچکی تھی کہ انگریز مسلمانوں کے دشمن ہیں اور رچرڈ کے زمانے سے دشمن چلے آ رہے ہیں ۔ اس بات کا ثبوت کہ دوسرے مسلمان حکمران انگریزوں کے عزائم مشئومہ سے بے خبر تھے، اس باب سے ملتا ہے کہ جب سلطان شہید رح نے ۱۷۹۷ء میں سلطان ترکی سے انگریزوں کے خلاف فوجی امداد طلب کی تو عقل و خرد سے بیگانہ ''باب عالی،، (سلطان ترکی) نے سلطان شہید کو لکھا کہ انگریز مسلمانوں کے دوست ہیں اور ہمارے بھی دوست ہیں اسلئے ان کے خلاف صف آرا ہونے کے بجائے ان سے دوستی کی بنیاد استوار کرو۔

انا لله وانا الیه راجعون

دوسرا بند

کہتے ہیں کہ افراد کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ وہ زندگی کے سمندر میں بمنزلۂ امواج ہیں ۔ جسطرح موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور فنا ہوتی رہتی ہیں اسی طرح افراد پیدا ہوتے رہتے ہیں اور فنا ہوتے رہتے ہیں ۔ کسی شخص یا شے کو ثبات یا قرار یا دوام نہیں ہے ۔ زندگی دراصل ایک انقلاب مسلسل کا نام ہے اور ہر لحظہ تبدیلی سے عبارت ہے ۔ ہر موجود کی زندگی کا تانا بانا، رفت اور بود سے بنا ہوا ہے ۔ اور اسی کی بدولت ہر شے میں ذوق نمود اور جذبۂ اظہار پایا جاتا ہے ۔ کیونکہ ہر شے اس نکتے سے پیدائشی طور پر آگاہ ہے کہ دنیاوی زندگی عارضی اور چند روزہ ہے ۔ اگر ہم اپنی زندگی کا اظہار کئے بغیر وفات پا جائینگے تو گویا ہمارا پیدا ہونا اور ایک معین عرصے تک دنیا میں رہنا بالکل بے معنی اور بے سود ہے گویا اظہار ذات کے بغیر ہمارا وجود اور عدم

دونوں یکساں ہیں۔ اسلئے ہمیں اس زندگیٔ مستعار کو غنیمت سمجھنا چاہئے اور حتی المقدور اپنی شخصیت کے اظہار کا انتظام کرنا چاہئے۔

جب صورت حال یہ ہے تو مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی شخصیت کے اظہار کے لئے جدوجہد کرتے ہیں [۱] اور موت سے کسی حال میں ہراساں نہیں ہوتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پیدا ہونا ہی دلیل ہے مرنے کی۔ ''کل نفس ذائقة الموت،، ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

غور سے دیکھو تو رہرو ہی سفر میں نہیں ہے۔ خود راہ (جادہ) بھی سفر میں ہے۔ جسکو تم مقیم سمجھتے ہو اگر غور سے دیکھو گے، تو معلوم ہوگا کہ وہ بھی مسافر ہے کیونکہ جو شے ساکن نظر آتی ہے وہ بھی بتدریج گھس رہی ہے، مٹ رہی ہے، فنا ہو رہی ہے یعنی ہر آن متغیر ہے۔

بظاہر کھجور کا درخت ساکن نظر آتا ہے مگر در حقیقت وہ آہستہ آہستہ فنا ہو رہا ہے اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ وہ ایک دن بلا شبہ فنا ہو جائیگا۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ایک شے ہزار دو ہزار سال میں فنا ہوتی ہے دوسری صرف ایک رات میں مثلاً شاہ بلوط اور برگد کا درخت کئی ہزار سال تک قائم رہتا ہے کھجور کا درخت سو سال تک تر و تازہ رہتا ہے اور پروانوں اور پھولوں کی عمر صرف ایک رات ہوتی ہے۔

اس بے ثباتی کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ میں نے گل لالہ سے کہا کہ چند روز اور اس باغ میں اپنی بہار دکھا۔ تو اسنے جواب دیا کہ افسوس تو ابھی تک ہماری حقیقت سے آگاہ نہ ہوسکا۔ ع — غیر حسرت چیست پاداش نمود۔ جو شے دنیا میں آتی ہے۔ انسان، حیوان، شجر، طیور اور حجر اسکے لئے یہ بات مقدر ہوچکی ہے کہ وہ بہت سی حسرتیں ساتھ لئے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہو۔ وجود کی تعمیر محض خس و خاشاک سے ہوتی ہے۔

تیسرا بند — اس بند میں سلطان شہید، بنی آدم کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص یہ پیغام دیتے ہیں کہ اگر دنیا میں آگئے

---

۱ حافظ شیرازی رح نے اسی نکتے کو یوں ادا کیا ہے :—

عاقبت منزل ما وادیٔ خاموشان است

حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

ہو تو پھر چنگاری کی طرح زندگی مت بسر کرو۔ یہ تمہاری شان کے مطابق نہیں ہے۔ بلکہ

تاب و تب داری اگر مانند مہر پا بنہ در وسعت آباد سپہر

اگر تمہارے اندر تب و تاب ہے (اور بلا شبہ ہے) تو پھر اس دنیا میں پورے عزم و استقلال کے ساتھ زندگی بسر کرو۔ بلکہ کسی خرمن کو تلاش کرو تاکہ اسے پھونک کر اپنی ہستی اپنی تابش اور گرمی کا ثبوت دے سکو۔

اقبال کے فلسفے میں 'شرار' کنایہ ہے بے مقصد زندگی سے۔ اسلئے انہوں نے سلطان کی زبان سے ہمیں یہ پیغام دیا ہے کہ اپنی زندگی کسی مقصد کے تحت بسر کرو تاکہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر وقت جدوجہد کرسکو اور اس جدوجہد کے پردے میں اپنی خودی کو نمایاں کرسکو۔ خودی کی پوشیدہ طاقتیں صرف جدوجہد ہی سے آشکار ہوسکتی ہیں۔ اگر زندگی کا کوئی مقصد نہ ہو تو انسان عمل کی طرف مائل ہی نہیں ہو سکتا عمل کا ولولہ پیدا ہی اسوقت ہوتا ہے جب انسان اپنی زندگی کا کوئی مقصد متعین کرلے۔

سلطان شہید رح پیغام دیتے ہیں کہ اگر تمہارے اندر تب و تاب ہے تو پھر جو شے تمہارے سامنے آئے اسے جلادو یعنی تصادم اور پیکار سے اپنی ہستی کا اثبات کرو۔ اور اثبات خودی ہی میں استحکام خودی کا راز مضمر ہے

اگر تب و تاب ہے تو پھر کوہ و مرغ و گلشن و صحرا کو پھونک ڈالو بلکہ پانی میں گھسکر مچھلیوں کو بھی جلا ڈالو۔ اور اگر تمہارے سینے میں تیروں کے زخم سہنے کا حوصلہ ہو تو پھ چڑیا اور بٹیر کے بجائے شاہین کی سی زندگی بسر کرو— ع — در جہاں شاہیں بزی شاہیں بمیر

اور شاہین ہی کی سی موت اپنے لئے پسند کرو۔

چونکہ ثبات و دوام (ابدی زندگی) عرض حیات میں ہے نہ کہ طول حیات میں اسلئے میں نے خدا سے طویل زندگی کے بجائے عریض زندگی طلب کی۔ مطلب یہ ہے کہ ثبات (ہمیشگی) اسباب پر موقوف نہیں کہ ایک شخص اس دنیا میں کے ہزار سال زندہ رہا بلکہ حیات جاوید اس بات پر موقوف ہے کہ

اس شخص نے (خواہ وہ صرف پچاس سال ہی زند رہا) اپنی مدت حیات میں کسقدر کارہائے نمایاں انجام دئے، کسقدر جدوجہد کی۔

اسی لئے میں نے خدا سے طویل زندگی کی دعا نہیں کی بلکہ یہ دعا کی کہ اے مولا کریم سو سال تک غلامی کی حالت میں زندہ رہنے کے بجائے صرف پچاس سال آزادی کی حالت میں زندگی بسر کرنے کی توفیق دے۔

چنانچہ دیکھ لو! میں نے صرف ۴۸ سال کی عمر پائی لیکن ساری زندگی جدوجہد، عمل صالح، جہاد اور سعئی پیہم میں بسر کردی اور ایک مومن کی یہی شان ہے کہ وہ جب تک زندہ ہے باطل سے برسر پیکار رہے۔ اسی لئے مجھے حیات جاوید حاصل ہوگئی۔

رفت سلطان ازیں سرائے پنج روز   نوبت او در دکن باقی ہنوز

اے مخاطب! تو جانتا ہے کہ زندگی کا مذہب یا آئین کیا ہے؟ اگر نہیں جانتا تو مجھ سے سن!

ع   یک دم شیری بہ از صد سال میش

اے مخاطب! اس دنیا میں ہر شے کا ایک دین یا کیش یا مذہب ہے جسطرح پروانے کا مذہب خاک ہوجانا ہے۔ اسی طرح زندگی کا مذہب ہے کہ جب تک انسان زندہ رہے آزاد رہ کر زندگی بسر کرے۔ غلامی کی زندگی، زندگی نہیں ہے در اصل موت ہے اور بہت ذلیل قسم کی موت ہے۔ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جب تک زندہ رہے شیر (حاکم) ہوکر زندہ رہے۔ کیونکہ شیر کی زندگی کا ایک لمحہ، بھیڑ بکری کی سو سال کی زندگی سے بہتر اور برتر ہے۔

واضح ہو کہ جب فروری ۱۷۹۹ء میں ولزلی (ہندوستان کے فرنگی گونر جنرل) نے اپنے معتمد میجر ڈوٹن (Doveton) کی معرفت سلطان شہید کو یہ الٹی میٹم بھیجا تھا کہ یاتو نظام کی طرح غلامی قبول کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تو سلطان شہید نے اس چیلنج کے جواب میں یہ تاریخی فقرہ لکھ کر بھیجا تھا کہ

''انگریزوں کا غلام بن کر سو سال تک دکن پر حکومت کرنے کے مقابلے میں، آزاد رہ کر صرف ایک دن حکومت کرنا ہزار درجہ بہتر ہے''

چوتھا بند اس بند میں اقبال نے حسب ذیل حقائق سلطان شہید رح کی زبان سے بیان کئے ہیں :—

زندگی محکم ز تسلیم و رضا ست
موت نیرنج و طلسم و سیمیاست

کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی کو محکم (خودی کو پختہ) بنانا چاھتا ہے تو اسے لازم ہے کہ شیوۂ تسلیم و رضا اختیار کرلے اور نہایت خلوص کے ساتھ اس روش پر قائم رہے ۔ چونکہ یہ نکتہ تعلیمات اسلامیہ کا خلاصہ ہے اسلئے اقبال نے اسکو اپنی متعدد تصانیف میں مختلف طریقوں سے واضح کیا ہے ۔ مثلاً زبور عجم میں کہتے ہیں :—

بروں کشید ز پیچاک هست و بود مرا
چه نکته هائے مقام رضا کشود مرا

مثنوی پس چه باید کرد میں اس نکتے کو تفصیلاً بیان کیا ہے ۔ میں اس جگہ صرف دو شعر نقل کرتا ہوں :—

مصطفے ص داد از رضائے او خبر نیست در احکام دیں چیزے دگر
تخت جم پوشیده زیر بوریا ست فقر و شاهی از مقامات رضا ست

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات سے مطلع فرما دیا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو اللہ کی مرضی کے سامنے سر تسلیم خم کردے ۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ احکام دین میں اسکے علاوہ اور کسی بات کا ذکر نہیں ہے ۔ بالفاظ دگر تمام احکام دین کا خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ مرضیٔ مولیٰ از همه اولیٰ اسلئے اسکے سامنے سر تسلیم خم کردو ۔

جو شخص اللہ کی مرضی کے سامنے سرتسلیم خم کر دیتا ہے اور دنیاوی حکمرانوں سے قطع نظر کرکے اپنے حجرے میں ایک بوسیدہ بورئے پر قانع ہو جاتا ہے تو شاہان عالم اسکے سامنے سر بسجود ہو جاتے ہیں (اس حقیقت کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے کہ فقیر کے بورئے کے نیچے تخت شاہی پوشیدہ ہے) بلکہ فقر اور شاہی دونوں ہی رضاء کے مقامات میں سے ہیں یعنی اسکے اثمار شیریں ہیں ۔ دیکھ لو ! حضرت صدیق اکبر رض اور حضرت فاروق اعظم رض

کی زندگی میں فقیری اور شاہی دونوں شانیں جلوہ گر ہیں اور انہیں یہ نعما اسلئے حاصل ہوئیں کہ انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سر تسلیم خم کردیا تھا ۔

فقر و شاہی یہ دونوں مقامات رضاء ہیں اور ان کی عظمت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات کی تجلیاں ہیں :—

فقر و شاہی واردات مصطفےٰ ص ست
این تجلی ہائے ذات مصطفےٰ ص ست

تسلیم و رضاء سے مراد یہ ہے کہ مرد مسلمان اپنی مرضی، اللہ کی مرضی میں اسطرح فنا کردے کہ اسکی ذاتی مرضی مطلق باقی نہ رہے یعنی وہ مشئیت ایزدی سے مطابقت کلی پیدا کرلے ۔ جس وقت یہ رنگ پیدا ہو جاتا ہے تو مرد مومن کے اندر جہاد فی سبیل اللہ کا بے پناہ جذبہ پیدا ہو جاتا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ جو چیز انسان کو جہاد و قتال فی سبیل اللہ سے باز رکھتی ہے وہ صرف یہ ہے کہ اگر میں میدان جنگ میں جاؤنگا تو گمان غالب یہ ہے کہ مارا جاؤنگا لیکن اگر کسی شخص کو اسبات کا یقین ہو جائے کہ موت اللہ کے اختیار میں ہے اور اسی وقت آئیگی جب اللہ کا حکم ہوگا (اسکی مرضی ہوگی) تو پھر وہ شخص خالد جانباز رض کی طرح بلا خوف و خطر اعداء میں گھس جائیگا اور اسکے ہاتھ میں بھی صبح سے شام تک کئی تلواریں ٹوٹ جائیں گی مگر اسپر کوئی تلوار کار گر نہیں ہوگی وہ دشمن کی صفوں میں اسطرح بے باکانہ چلے پھریگا جسطرح کوئی شخص اپنے پائیں باغ میں سیر کرتا ہے ۔

اس شیوۂ تسلیم و رضاء کی بدولت مرد مومن کے دل میں یہ یقین جا گزیں ہو جاتا ہے کہ اگر خدا نہ چاہے تو ساری دنیا کے انسان مل کر بھی مجھے قتل نہیں کرسکتے اور اگر وہ مجھے فنا کرنے کا ارادہ کرے تو ساری دنیا کے انسان مل کر بھی مجھے نہیں بچاسکتے اس یقین کی بدولت، انسان کی زندگی میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے یعنی اکیلا آدمی سینکڑوں آدمیوں پر بھاری ہوجاتا ہے ۔ اسی کو اقبال نے استحکام خودی سے تعبیر کیا ہے ۔

دوسرے مصرع میں علامہ نے اس عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے کہ موت بھی زندگی کے مقابلے میں ایک حقیقت ہے یعنی موت انسانی زندگی کے

خاتمے کا نام ہے بالفاظ دگر، موت میں انسان کو فنا کرنے کی طاقت موجود ہے ۔ اقبال کہتے ہیں یہ سب باتیں غلط ہیں موت کی کوئی اصلیت یا حقیقت نہیں ہے وہ ''نیرنگ و طلسم و سیمیا،، ہے یعنی محض فریب نظر ہے ۔ لوگ موت کی حقیقت سے ناواقف ہیں اسی لئے اس سے ڈرتے ہیں ۔ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں ہے بلکہ منازل حیات میں سے ایک منزل ہے ۔ یوں سمجھو کہ موت وہ دروازہ ہے جس میں سے گذر کر ہم اعلی اور افضل زندگی کے میدان میں داخل ہوتے ہیں ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو شخص ساری عمر مادیات میں گرفتار رہتا ہے یعنی نفس امارہ کی اطاعت کرتا رہتا ہے یا وہ شخص جو غلامی میں زندگی بسر کرتا ہے اور آزادی کے لئے جدوجہد نہیں کرتا وہ موت سے بیشک مر جاتا ہے ۔

بندۂ حق ضیغم و آھو ست مرگ
یک مقام از صد مقام اوست مرگ

کہتے ہیں بندۂ حق (جو بندۂ نفس کی ضد ہے) بمنزلۂ شیر ہے اور موت بمنزلۂ آھو ہے پس بندۂ حق موت کو اسی طرح شکار کرلیتا ہے جسطرح شیر آھو کو ۔

موت، بندۂ نفس یا محکوم غیر کو بیشک فنا کر سکتی ہے مگر بندۂ حق کو فنا نہیں کر سکتی بلکہ بندۂ حق خود موت کو شکار کر سکتا ہے ۔ یہ موت اسکے مقامات میں سے محض ایک مقام ہے ۔ مرنے کے بعد وہ فوراً ہی زندہ ہو جاتا ہے اور اسطرح موت پر غالب آ جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ شہداء فی سبیل اللہ کو مردہ مت کہو انہیں مردہ کہنا یا مردہ سمجھنا ان کی توھین ہے ۔

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات ؕ بل احیاء و لکن لا تشعرون (۲—۱۵۴)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں انہیں مردہ مت کہو سچی بات یہ ہے کہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس زندگی کا شعور نہیں رکھتے ۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو لوگ راہ خدا میں شہید ہوجائیں وہ مرتے نہیں بلکہ حیات ابدی سے ھمکنار ہو جاتے ہیں ۔

موت کافر یا غلام کی زندگی کے خاتمے کا بیشک نام ہے مگر یہی موت

مرد حر (بندۂ حق) کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ مرد مومن، موت پر اسطرح جھپٹتا ہے جسطرح شاہین کبوتر پر۔

ہر زماں میرد غلام از بیم مرگ
زندگی او را حرام از بیم مرگ

اسکے برعکس، غلام ہر وقت موت کے خوف سے مرتا رہتا ہے اور چونکہ اسپر ہر وقت موت وارد ہوتی رہتی ہے اسلئے وہ ساری عمر زندگی کی لذت سے آگاہ نہیں ہوسکتا موت کے خوف سے زندگی ہی اسپر حرام ہو جاتی ہے اسے ساری زندگی جینے کا لطف حاصل نہیں ہوتا۔

بندۂ آزاد را شانے دگر
مرگ او را می دہد جانے دگر

لیکن بندۂ حق کی تو شان ہی کچھ اور ہے۔ جینے کا لطف صرف اسی کو حاصل ہوا ہے۔ وہ جب راہ خدا میں شہید ہوتا ہے تو فوراً اسے نئی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔

او خود اندیش است و مرگ اندیش نیست
مرگ آزادان ز آنے بیش نیست

مرد مومن تو ہر وقت اپنی خودی کی تکمیل کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اگر وہ دیکھتا ہے کہ خودی کی تکمیل جان دینے سے ہوگی، تو وہ فوراً سر سے کفن باندھ کر میدان میں آ جاتا ہے۔ مرد مومن کو موت کا خیال بھولے سے بھی نہیں آتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ موت وقت مقررہ سے پہلے نہیں آسکتی اور جب وقت آ جائیگا تو ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں ہوسکتی[1]

منافق اور غلام ہر وقت موت سے خائف رہتا ہے وہ اپنی کوتاہ بینی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں میدان جنگ میں گیا تو یقیناً مارا جاؤنگا، اسی لئے وہ جہاد سے اسطرح ڈرتا ہے جسطرح قصائی سے گائے۔ لیکن انتہائی کوشش کے باوجود وہ اپنے آپ کو موت سے نہیں بچا سکتا۔ اسکی

۱۔ کیا خوب کہا ہے سلطان ابوسعید ابوالخیر رح نے :—

از مرگ میندیش و غم رزق مخور
کیں ہردو بوقت خویش ناچار رسد

دولت اسے موت کے پنجے سے رہائی نہیں دلاسکتی۔ اور جب وہ مرتا ہے تو ہمیشہ کے لئے مر جاتا ہے اور ساری دولت (جسکے لئے وہ موت سے بچتا رہا) یہیں رہ جاتی ہے۔

اسی لئے اقبال نے قوم کو یہ مشورہ دیا ہے کہ اس موت سے اجتناب کرو جو تمہیں ہمیشہ کے لئے قبر کی آغوش میں سلادے۔

بگذر از مرگے کہ سازد با لحد ز آنکہ این مرگیست مرگ دام و دد
مرد مومن خواھد از یزدان پاک آن دگر مرگے کہ بر گیرد ز خاک

یہ تو حیوانوں کی موت ہے۔ کہ جب وہ مرتے ہیں تو ہمیشہ کے لئے مر جاتے ہیں، نہ ان کا نام باقی رہتا ہے اور نہ دوبارہ زندگی نصیب ہوتی ہے۔ مومن اس موت کے بجائے خدا سے وہ موت طلب کرتا ہے جو اسے خاک (فنا' کلی) سے بلند کردے۔

وہ مرگ دگر کیا ہے؟

آن دگر مرگ؟ انتہائے راہ شوق آخرین تکبیر درجنگاہ شوق

وہ موت، راہ عشق کی انتہا ہے یعنی اللہ کے راستے میں شہادت

اقبال کی نگاہ میں وہ موت جو انسان کو حیات جاوید عطا کر دیتی ہے، وہ ہے جو میدان جہاد میں نصیب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس موت کی تمنا کی چنانچہ آپ ص ارشاد فرماتے ہیں کہ میری سب سے بڑی آرزو یہ ہے کہ میں راہ خدا میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ ہو جاؤں اور پھر اسی طرح میدان جنگ میں جام شہادت نوش کروں۔ نیز آپ ص نے فرمایا کہ جس مسلمان کے دل میں شہادت کی آرزو موجزن نہ ہو اسکا ایمان ناقص ہے۔

جنگ شاھان جہان غارتگری است جنگ مومن سنت پیغمبری است

اس شعر میں اقبال نے دنیا کے بادشاہوں اور مومن کی جنگ میں فرق بیان کیا ہے بادشاہان عالم کا مقصد غارت گری ہے یعنی اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنانا۔ لیکن مومن کا مقصد اسکے برعکس سنت نبوی ص پر عمل کرنا یعنی اللہ کے بندوں کو انسانوں کی غلامی سے رہائی عطا کرنا ہوتا ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و سلم نے جسقدر جنگیں لڑیں ان سب کا مقصد صرف یہ تھا کہ انسان، انسانوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں آجائے چنانچہ قرآن حکیم ارشاد فرماتا ہے ''وقاتلوهم حتی لا تکون فتنة و یکون الدین کله لله (۸-۳۹) اور کفار سے لڑتے رهو یہاں تک کہ کفر کا فتنہ مٹ جائے اور دین پورے طور پر اللہ هی کے لئے هو جائے یعنی انسان بادشاهوں کی غلامی سے نکل کر اللہ کی غلامی میں آجائے۔ اس آیت سے ثابت هوا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی غایت یہ ہے کہ کفر کا فتنہ مٹ جانے اور اللہ کے بندوں کو اللہ کے دین پر گامزن ہونے کی آزادی حاصل هو جائے۔ یعنی مسلمانوں کا مقصد حیات یہ ہے کہ ایسا ماحول پیدا کر دیں کہ کوئی انسان اللہ کے بندوں کو اپنی غلامی پر مجبور نہ کرسکے۔

جب اهل ایران نے حضرت سعد ابن ابی وقاص رض کی خدمت میں قاصد بھیج کر یہ دریافت کیا کہ تم لوگ همارے ملک کیوں آئے هو؟ فوج کشی سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ جواب لکھ کر قاصد کے حوالے کیا تھا۔

ان الله ارسلنا لنخرج الناس من جور الملوک و ظلمات الجهالة الی عدل الاسلام و نور الایمان — یعنی هم خود نہیں آئے هیں بلکہ همیں اللہ نے بھیجا ہے اور اسلئے بھیجا ہے کہ هم ایران کے باشندوں کو بادشاهوں کے ظلم و ستم اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کے عادلانہ نظام زندگی اور ایمان کے نور کی طرف لے آئیں۔

اس جواب سے بخوبی معلوم هوسکتا ہے کہ اسلام کیا ہے اور وہ مسلمانوں پر کیا فرض عائد کرتا ہے اور ضمناً یہ بھی معلوم هوسکتا ہے کہ هم مسلمان اپنے نصب العین سے کسقدر دور هوچکے هیں۔

جنگ مومن چیست؟ هجرت سوئے دوست
ترک عالم، اختیار کوئے دوست

شاهان عالم تو حصول عالم کے لئے جنگ کرتے هیں۔ یعنی دنیا اور اهل دنیا پر اپنا اقتدار قائم کرنا چاهتے هیں لیکن مومن کا مطمح نظر بالکل مختلف هوتا ہے وہ محبوب حقیقی (اللہ) کی طرف هجرت کرتا ہے یعنی اللہ کی خوشنودی کے لئے عالم کو ترک کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ عالم کا مالک اور اس پر

حکمران وہ ہے جس نے اس عالم کو پیدا کیا ہے۔ الارض للہ والملک للہ والحکم للہ یہ دنیا بھی اللہ ہی کی ہے اور بادشاہت بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے اسلئے وہ دنیا کے مقابلے میں کوئے دوست (رضاء الٰہی) کو اختیار کرتا ہے وہ دنیا میں اپنی نہیں بلکہ اللہ کی حکومت قائم کرتا ہے۔

جنگ دونوں کرتے ہیں۔ بادشاہ بھی اور مومن بھی مگر بادشاہوں کی جنگ اپنے لئے ہوتی ہے مومن کی جنگ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ بادشاہ اسلئے جنگ کرتا ہے کہ دنیا حاصل ہو جائے اور وہ داد عیش دے سکے۔ مومن اسلئے جنگ کرتا ہے کہ دنیا کی لذتوں کو اللہ کے لئے ترک کرے اور اسکی رضا حاصل کرے۔ بادشاہ کا مقصد دنیا ہے مومن کا مقصد اللہ ہے۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الجہاد رہبانیۃ الاسلام یعنی اسلام بھی ایک خاص قسم کی رہبانیت (ترک دینا) کی تعلیم دیتا ہے اور وہ جہاد ہے یعنی اللہ کے لئے — اسکی رضاء حاصل کرنے کے لئے، دنیا اور اسکی لذات کو ترک کرنا۔ اسی مضمون کو اقبال نے یوں بیان کیا ہے :—

آنکہ حرف شوق با اقوام گفت
جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کو رہبانیت اسلام قرار دیا ہے

کس نداند جز شہید ایں نکتہ را
کو بخون خود خرید ایں نکتہ را

لیکن اس نکتے کو (کہ جہاد در اصل رہبانیت اسلام ہے) صرف شہید ہی سمجھ سکتا ہے کیونکہ وہ اس نکتے کو سمجھنے کے لئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن کی رو سے مومن کا مقصود حیات نہ دنیا ہے نہ دنیاوی جاہ و اقتدار نہ حکمرانی نہ لذت کوشی بلکہ صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا۔ اسکی پوری زندگی حصول رضاء الٰہی کے محور پر گردش کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم نے اسی نکتے کو یوں واضح فرمایا ہے۔

قل ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین

اے رسول ص آپ کہدیجئے کہ میری نماز اور میرے مراسم دینی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ ھی کے لئے ھے جو ساری کائنات کا رب ھے۔

یہ حقیقت کہ جہاد دراصل رھبانیت اسلام ھے، مومن پر صرف اسوقت منکشف ھوتی ھے جب وہ شمشیر بکف میدان جنگ میں جاتا ھے اسوقت وہ سمجھتا ھے کہ جہاد رھبانیت اسلام ھے۔

پہلے مومن اللہ کے لئے اس دنیا اور اسکی لذات سے قطع نظر کرتا ھے اسکے بعد اسکے دل میں شوق شہادت موجزن ھوتا ھے کیونکہ جب تک ایک شخص ماسوی اللہ سے بکلی قطع تعلق نہ کرے وہ سر کٹانے پر آمادہ نہیں ھوسکتا۔

دنیا سے قطع تعلق کرنا ھی رھبانیت ھے۔اسکا مفہوم یہی ھے مگر کافر، ترک دنیا اسلئے کرتا ھے کہ وہ یہ سمجھتا ھے کہ یہ دنیا ناپاک ھے اور جب تک میں اس سے قطع تعلق نہیں کروں گا۔خدا کو نہیں پاسکوں گا۔

لیکن مومن اسلئے قطع تعلق کرتا ھے کہ جب تک قطع تعلق نہیں کروں گا اللہ کی راہ میں (اسے راضی کرنے کے لئے) جان قربان نہیں کر سکوں گا۔ خلاصہٴ کلام اینکہ رھبانیت اسلام میں بھی ھے مگر اسکا مفہوم محض ترک دنیا نہیں ھے بلکہ ترک دنیا کرنے کے بعد جہاد کرنا اور مرتبہٴ شہادت حاصل کرنا۔

یہی سلطان شہید رح کا پیغام ھے۔

All rights ©2002-2006